# علامہ محمد اقبالؒ ـــــــ (1877ء۔1938ء)

**شاعر کا تعارف:** ایف۔اے سیالکوٹ سے'بی۔اے گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا۔انگلینڈ سے گریجویشن اور بارایٹ لا کی ڈگری اور جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے فلسفۂ ایران کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی' پھر لندن میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔لندن یونیورسٹی میں پروفیسر ٹامس آرنلڈ کے قائم مقام کے طور پر چھ ماہ عربی کے پروفیسر رہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر رہے' پھر وکالت شروع کی اور اُس کے بعد سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔

علامہ اقبالؒ نے جس دَور میں شاعری کا آغاز کیا وہ مسلمانوں کی انتہائی پستی اور علمی انحطاط کا دَور تھا۔قومی اور ملّی زندگی میں مسلمان بہت پستی کا شکار تھے۔علامہ اقبالؒ نے اپنی بصیرت اور وسعت نظری سے قوم کی رہنمائی کی۔انہوں نے اپنی شاعری کو بزم آرائی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ قوم کے لیے دردمندانہ پیغام اور مجاہدانہ درسِ عمل کا ذریعہ بنایا۔ان کے ہاں شکوہ بیان' عظمتِ انسانی' تہذیبِ مغرب پر تنقید' مردِ مومن کا تصور ملتا ہے۔علامہ اقبالؒ اسلامی اور قومی شاعر ہیں انہیں آفاقی شاعر بھی کہا جاتا ہے۔انہوں نے شاعری کو عقل' عشق' جنوں' فقر' ذوق وشوق جیسی فلسفیانہ اصلاحات سے سجایا۔انہوں نے قوم کو خودی کا درس دے کر آزادی کا احساس دلایا۔اخوت ومساوات اور بالغ نظری عطا کی۔اِن کے رجائی لہجے نے ملتِ اسلامیہ میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑادی۔دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے والے نام نہاد مسلمانوں کو درِ رسولِ اقدسؐ پر لا کھڑا کیا۔

ے سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

علامہ اقبالؒ کے افکار نے تحریکِ پاکستان میں ایک رہبر کا کردار ادا کیا۔قائداعظمؒ کے نام خطوط اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ انہوں نے قدم قدم پر بابائے قوم کو مفید مشورے دیئے۔ پاکستان کے قیام کا تصور اُمتِ مسلمہ کے ساتھ اخلاص کا مظہر ہے۔

## 1۔غزل ـــــــ علامہ محمد اقبالؒ

**شعر 1:** جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **خود آگاہی:** اپنی پہچان' اپنی صلاحیتوں کی پہچان' اپنی خودی کی پہچان ○ **کھلنا:** ظاہر ہونا' معلوم ہونا ○ **اسرار:** سر کی جمع' بھید ○ **شہنشاہی:** بادشاہوں پر بھی بادشاہت ○ **اسرارِ شہنشاہی:** بادشاہت کرنے کے بھید' بادشاہی کے آداب' شہنشاہیت کے بھید۔

**مفہوم:** عشق جب انسانوں کو اِن کی خودی کی پہچان کے طریقے سکھا دیتا ہے تو وہ انسان اگر غلام بھی ہوں تو بادشاہی کرنے یا حکومت کرنے کے بھید ان پر ظاہر کر دیتا ہے۔

**تشریح:** علامہ اقبالؒ کا بنیادی پیغام خودی ہے۔ خودی کے لغوی معنی غرور، گھمنڈ یا تکبر کے ہیں لیکن خودی سے علامہ اقبالؒ کی مراد اپنی ذات کا عرفان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات عطا کر کے دُنیا میں بھیجا ہے۔ انسان جب اِن صفات سے کام لیتا ہے تو کائنات کی ہر شے کی حقیقت انسان کی نگاہوں میں بے نقاب ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے خودی کی تکمیل کے تین مرحلے بیان کیے ہیں۔

1۔ اطاعتِ الٰہی　　2۔ ضبطِ نفس　　3۔ نیابتِ الٰہیہ

پہلے دونوں مرحلے مکمل ہونے پر انسان کو تیسرا درجہ ملتا ہے جب بندے کی زبان خدا کی زبان، بندے کی نگاہ، خدا کی نگاہ بندے کا ہاتھ خدا کا ہاتھ اور بندے کا عمل خدا کا عمل بن جاتا ہے۔

شاعر کا کہنا یہ ہے کہ اپنی خودی کا عرفان حاصل کرو، انسان ''قدر'' اور ''جبر'' کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے، جب وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرتا ہے تو وہ دنیا کی غلامی چھوڑ کر اللہ اور اِس کے رسولؐ کی غلامی میں آ جاتا ہے۔ اللہ کے دَر پہ جھکنے والا، دُنیا کے کسی شخص یا قوت کا غلام نہیں رہتا۔ یہ بات ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں نظر آتی ہے۔ تاریخِ عالم نے دیکھا ہے کہ بدو لوگوں نے دنیا پر یوں حکومت کی کہ بڑی بڑی بادشاہتیں ان کی باج گزار بن کر رہ گئیں۔ گویا ان کی خودی کے عرفان نے انہیں دنیا پر حکومت کرنے کے بھید سکھا دیئے۔

عشق، عاشق، کو خودی کے آداب سکھا دیتا ہے۔ تو وہ غلام سے بادشاہ بلکہ بادشاہوں کا بادشاہ بن جاتا ہے۔

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہِ فقیر

خودی کی خلوتوں میں کبریائی　　خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی　　زمین و آسمان و کرسی و عرش

**شعر 2:** **عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو**
**کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی**

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **کچھ ہاتھ نہیں آتا:** کچھ نہیں ملتا ○ **بے آہِ سحر گاہی:** صبح کے وقت خدا کی عبادت کے بغیر ○ **عطار:** وہ شخص جو عطر کشید کرے اور فروخت کرے، یہاں نیشا پور ایران کے رہنے والے فارسی کے مشہور صوفی شاعر خواجہ فریدالدین عطار مراد ہیں جو چھٹی صدی ہجری کے نصف اوّل میں پیدا ہوئے ○ **روم:** مولانا رومؒ مراد ہیں، جلال الدین محمد رومیؒ 1207ء۔ 1273ء بلخ میں پیدا ہوئے اور روم (ترکی) کے شہر قونیہ میں فوت ہوئے۔ علامہ اقبالؒ خود کو مولانا رومؒ کا معنوی شاگرد کہتے ہیں۔ کلامِ الٰہی اور حدیثِ نبویؐ کے بعد علامہ اقبالؒ مثنوی مولانا رومؒ سے استفادہ کرتے تھے ○ **رازی:** شیخ فخر الدین رازی (544ھ۔606ھ) رے (ایران) میں پیدا ہوئے فلسفہ و منطق کے استادِ کامل تھے ○ **امام غزالی:** (450ھ۔505ھ) طوس

(ایران) میں پیدا ہوئے' فلسفہ و حکمت کے کامل استاد تھے۔ وہ نہایت جید عالم' زبردست فلسفی' بلند کردار اور پرہیزگار انسان تھے۔ وہ ستر سے زیادہ کتب کے مصنف تھے جن میں احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت زیادہ مشہور ہیں۔

**مفہوم:** انسان جتنا بھی عالم فاضل ہو، صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کیے بغیر کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔

**تشریح:** علامہ اقبالؒ نے شعر میں مسلمانوں کے اُن چار مشہور علما کا ذکر کیا ہے' جو اپنے اپنے علم میں کامل استاد تھے۔ علامہ اقبالؒ کے علاوہ آج کے علما بھی انہیں اپنا استاد اور رہنما تصور کرتے ہیں۔ خواجہ فرید الدین عطار' محض ایک رنگین بیان شاعر ہی نہ تھے بلکہ اِن کے کلام میں اسلامی تصوف کا درس دیا گیا ہے۔ مولانا رومؒ نے عجمی تصوف کے بجائے اسلامی تصوف کی ترجمانی کی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے کلام میں ان کے کلام کی بھرپور غمازی ہوئی ہے۔ فخر الدین رازی بھی منطق اور فلسفہ کے کامل استاد تھے' جنہوں نے خرد کی گتھیاں سلجھانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ امام غزالیؒ فلسفہ اور حکمت میں کامل استاد ہونے اور اسلامی تعلیمات کا بھرپور مطالعہ رکھنے کی وجہ سے معتبر اور معزز ہیں۔ بہت سے معاملات میں انہیں یورپ کے فلسفیوں اور حکما پر نہ صرف برتری حاصل ہے بلکہ مغرب والوں نے ان کے علم سے خوشہ چینی کی ہے' آج ہم مغرب والوں کو اپنے سے آگے تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مغربی علما بہت سے علوم میں ہمارے پیش رو ہیں۔ امام غزالیؒ کی کتب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالیؒ بہت سے نظریات میں اُن کے امام ہیں۔

علامہ اقبالؒ ان چاروں جید علما کا ذکر کر کے ایک بات کا احساس دلا رہے ہیں کہ ان علما کو یہ مرتبہ محض کتب پڑھنے اور تصنیف کرنے سے نہیں ملا بلکہ علی الصبح' اللہ کے حضور سر جھکا کر گریہ وزاری کرنے سے' عبادت کرنے سے یہ مقام ملا ہے۔ اس آہِ سحر گاہی کے بغیر کوئی کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو اُسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا' جیسے ابوجہل' جو قبل از اسلام پورے عرب میں ابوالحکم کے لقب سے مشہور تھا۔ خوبصورت الفاظ میں مدلل اور موثر گفتگو کرنے کا ماہر تھا۔ اس آہِ سحر گاہی سے محروم رہا اور ابوجہل بن کر رہ گیا۔ گویا عشق کے بغیر گوہرِ مقصود ہاتھ نہیں آتا اور آہِ سحر گاہی' عشق ہی کی بدولت ہے۔ یہ بات علامہ اقبالؒ ملت کے نوجوانوں میں بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے ۔۔۔ پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے ۔۔۔ مرا نورِ بصیرت عام کر دے

---

**شعر 3:** نومید نہ ہو ان سے' اے رہبرِ فرزانہ!
کم کوش تو ہیں لیکن' بے ذوق نہیں راہی

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **نومید:** نا اُمید' مایوس ○ **رہبر فرزانہ:** دانشمند رہنما ○ **کم کوش:** سست' کوشش میں کمی کرنے والا ○ **بے ذوق:** شوق کے بغیر' لطف کے بغیر ○ **راہی:** مسافر' راہرو۔

**مفہوم:** اے دانا رہنما! مسافروں سے نا اُمید نہ ہو۔ یہ آرام طلب غافل' کاہل اور کوشش کم کرنے والے تو ہیں لیکن ذوق و شوق سے عاری نہیں ہیں۔

**تشریح:** علامہ اقبالؒ کے سارے کلام میں مسلمانوں' خصوصاً اُمتِ مسلمہ کے نوجوانوں کو عمل کی ترغیب دی گئی

ہے۔ انہوں نے نظموں ''ایک نوجوان کے نام''؛ ''سلطان ٹیپو کی وصیت''؛ ''جاوید کے نام''؛ ''جاوید سے''؛ ''طلبہ علی گڑھ کے نام''؛ ''مردِ مسلمان'' اور غزلوں میں بھی اُمتِ مسلمہ اور اُمتِ مسلمہ کے نوجوانوں کو کوششِ پیہم اور عملِ مسلسل کا درس دیا ہے اور یہ عمل بے لگام نہیں بلکہ اِس عمل کا رُخ درِ رسولؐ کی طرف ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنی ملت کے اِن رہنماؤں سے مخاطب ہیں جو مسلمانوں اور نوجوانوں کی کم کوشی، سستی اور کاہلی کی وجہ سے اِن سے نا اُمید اور مایوس ہو رہے ہیں۔ اقبال اُن کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اِس وقت اگرچہ اُمتِ مسلمہ سستی اور کاہلی کا شکار ہے۔ بے عملی اور کوتاہی میں مبتلا ہے لیکن اے رہبرو! آپ مایوس نہ ہوں، مایوسی کفر ہے۔ ان کے دِلوں میں عشقِ رسولؐ کی تڑپ باقی ہے۔ ملت کے برسے ہوئے بادل میں بجلیوں کی لپک اور تڑپ ابھی باقی ہے۔ اس خاکستر میں چنگاریاں موجود ہیں۔ ان کو حکمت، موعظت اور احسن طریقے سے رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اگر اس تڑپ کو ترقی دی جائے تو ان میں گرمیٔ عمل پیدا ہو سکتی ہے۔

ے نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

---

**شعر 4:** **اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی**
**جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی**

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **طائرِ لاہوتی:** پرندہ جو عالم ذاتِ الٰہی تک پہنچا ہوا ہے عام طور پر جب سالک کو فنافی اللہ کا درجہ حاصل ہو تو اسے طائرِ لاہوت کہتے ہیں، عالمِ لاہوت دُنیاداری اور غیر اللہ سے منہ موڑ کر اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے والے مسلمان کا مقام ہے ○ **پرواز:** اُڑان ○ **کوتاہی:** کمی، نقص۔

**مفہوم:** اے مسلمان! تو مقامِ ذاتِ الٰہی کا پرندہ ہے تجھے اُڑ کر اپنے مقام تک پہنچنا ہے۔ اس لیے ان چیزوں پر توجہ نہ دے جو تیری اُڑان کی قوت کو کمزور کر دیں اگر ایسا کرے گا تو گویا یہ تیری موت ہے، بلکہ موت اس سے بہتر ہے۔

**تشریح:** علامہ اقبالؒ اِس شعر میں اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کو اس کا اصل مقام یاد دلا کر اُس کے حصول کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ عام لوگ محض بہتر دنیاوی رزق کے لیے جان قربان کرتے ہیں، جو درندوں اور چوپایوں بلکہ کیڑے مکوڑوں کی زندگی ہے۔ حلال ہو یا حرام، جہاں پیٹ بھرنے کو کھانا ملا اسی پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے بدلے میں چاہے کیسی ہی غلامی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔ کیسی ہی ذلت کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ ''مکاں'' کی حدود میں رہنے والا انسان، سچا مسلمان نہیں بن سکتا۔ اُسے تو ''لامکاں'' کی بیکراں وسعتوں تک پہنچنا ہے۔ یہ اُڑان صرف اُسی وقت مِل سکتی ہے جب لامکاں تک رسائی حاصل کرنے والے خدا کے آخری رسولؐ کی اتباع کی جائے۔ مسلمان کو اپنی پرواز بلند رکھنا ہوگی۔ پرواز، تب بلند ہوگی جب نظر بلند ہوگی۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا جائے۔ اپنی ہر آرزو کو عشقِ رسولؐ اور فنافی اللہ کے رُتبے کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔ مسلمان صرف اللہ کو رازق جانے پھر وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک | اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت | فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم!

اے مسلمان! تو اگر مقامِ ذاتِ الٰہی کا پرندہ ہو کر اپنے اصل مقام تک نہ پہنچے تو ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ یعنی جو رزق تیری اُڑان کی قوت کو کمزور کر دے اس سے تو موت اچھی ہے۔

شعر 5: دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بُوئے اسدُ اللّٰہی

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **دارا:** بہت بڑی ایرانی سلطنت کا مشہور بادشاہ جس نے سکندرِ اعظم سے شکست کھائی ○ **سکندر:** فلیقوس شاہِ مقدونیہ کا بیٹا، یونان کا مشہور سپہ سالار جس نے نصف سے زیادہ دُنیا کو فتح کیا، سکندرِ اعظم ○ **مردِ فقیر:** گدا، یہاں مراد وہ آدمی جس نے فقر اختیار کیا ہو، درویش، قلندر ○ **اولیٰ:** بہت بہتر، نہایت اچھا ○ **فقیری:** درویشی، قلندری، خدا پرستی ○ **بوئے اسداللّٰہی:** حضرت علیؓ کی درویشی کی جھلک۔

**مفہوم:** دارا اور سکندر جیسے بڑے بڑے بادشاہوں سے اس فقیر کا رُتبہ بہت بلند ہے جس کی درویشی میں شیرِ خدا حضرت علیؓ کی درویشی یا اِن کے فقر کی جھلک نظر آئے۔

**تشریح:** علامہ اقبالؒ اس شعر میں ایک درویش، قلندر اور مردِ فقیر کا مقام متعین کر رہے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس کے مقابلے میں دُنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں، جاہ وجلال اور شان وشوکت کے مالک بادشاہوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتا۔ وہ اپنے خالق کے حضور سجدہ کر کے ہزار سجدے سے نجات پا جاتا ہے۔ ایسا فقر جس سے جہاں گیری کے اسرار کھلتے ہیں۔ اس فقر سے مٹی میں بھی اکسیری کی خاصیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ فقر ہے جو شبیری ہے اور اس فقر میں میری ہے۔ میراثِ مسلمان اور سرمایۂ شبیری ہے۔

جو فقیر حضرت علیؓ حیدرِ کرار کی راہ پر گامزن ہو۔ نانِ جویں کھا کر خیبر قلعے کا دروازہ اُکھاڑ پھینکنے کی قوت رکھے، اس کا مقام بادشاہوں سے بھی بلند تر ہے۔ وہ جو اللہ اور اس کے رسول کا غلام ہے وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ علامہ اقبالؒ ہی کا شعر ہے:

؎ نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

---

شعر 6: آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **آئین:** دستور، قاعدہ، قانون، رسم ○ **آئینِ جوانمرداں:** دلیروں، شجاعوں اور عالی ہمتوں کا طریقہ ○ **حق گوئی:** حق بات کہنا، سچی بات کہنا ○ **بیباکی:** بے خوفی، دلیری ○ **اللہ کے شیر:** بہادر بندے ○ **روباہی:** لومڑی کا طریقہ، خوشامد، عیاری اور مکاری۔

**مفہوم:** جوانمرد لوگ اللہ کے شیر ہوتے ہیں۔ راست گوئی اور بے خوفی ان کا دستور ہوتا ہے۔ انہیں لومڑی کا طریقہ یعنی خوشامد کرنا' عیاری اور مکاری کرنا نہیں آتا۔

**تشریح:** علامہ اقبالؒ نے اِس شعر میں' دلیر' شجاع اور عالی ہمت مومنوں کو اللہ کے شیر قرار دیا ہے جو ہمیشہ راست باز اور بے خوف ہوتے ہیں وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے' بڑے سے بڑے دُشمن کے سامنے وہ سَر اُٹھا کر اور سینہ تان کر کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ شیروں جیسی صفات رکھتے ہیں' جان جانے کا خطرہ بھی ہو تو لومڑی کی طرح مکروفریب سے کام نہیں لیتے۔ دشمن کی بے جا تعریف اور خوشامد کر کے اپنی جان بچانے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ راہِ راست پر چلنے والے، صراطِ مستقیم اپنانے والے کبھی کسی قوت سے خوفزدہ نہیں ہوتے وہ جانتے ہیں کہ اس راہ میں موت بھی زندگی سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ شہادت کی موت ہے جو ہمیشہ کی زندگی میں بھی کامیابی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ'' شہیدوں کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور زندہ لوگوں ہی کی طرح اللہ تعالیٰ سے رزق پاتے ہیں مگر تم شعور نہیں رکھتے۔''

کون ایسا مومن ہے جو شہادت کی موت بلکہ شہادت کی زندگی نہ چاہتا ہو' جب علم ہو کہ موت کے بعد اسے بہت شاندار زندگی ملنے والی ہے تو اُسے شیروں ہی کی طرح طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ وہ لوگ گویا سورۃ العصر میں بیان کی گئی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ ''قسم ہے زمانے کی انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے' حق کی تلقین کرتے رہے اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔'' اسی طرح یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں تو بریشم کی طرح نرم ہیں لیکن اسلام کے دُشمنوں کے مقابلے میں فولاد جیسی قوت رکھتے ہیں۔

مومن ہمیشہ سچ بات کہنے والے نڈر' بیباک اور بے خوف ہوتے ہیں وہ لومڑیوں جیسی عادات کے مالک نہیں ہوتے کہ کسی کی بے جا تعریف کریں اور مکروفریب سے کام لے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کریں، یہ اللہ کے شیروں کا دستور نہیں ہوتا۔ وہ جہاد کرتے ہیں' اللہ کی راہ میں جان قربان کرتے ہیں۔ حق کے راستے میں موت کو سامنے دیکھ کر وہ اور بھی بہادر ہو جاتے ہیں اور جان قربان کرنے کو بہت بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

ؔ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دِل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

## 2۔ غزل ـــــ علامہ محمد اقبالؒ

**شعر 1:** **نہ تخت و تاج میں، نے لشکروسپاہ میں ہے**
**جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے**

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **تخت و تاج:** ملک اور سلطنت ○ **لشکروسپاہ:** فوج ○ **نے:** نہ ○ **مردِ قلندر:** وہ شخص جو روحانی ترقی یہاں تک کر گیا ہو کہ اپنے وجود اور دُنیا کے تمام تعلقات سے بے خبر ہو کر ہمہ تن خدا کی ذات کی

طرف متوجہ ہو۔ یعنی خدا تعالیٰ کا فقیر مست، طائر لاہوتی ○ بارگاہ: دربار، عدالت، بیٹھنے جگہ، شاہی محل۔

**مفہوم:** ملک اور حکومت اور فوجوں کے حامل بادشاہ کے دربار میں وہ بات نہیں ہے جو کسی مردِ قلندر کے دربار میں ہوتی ہے۔

**تشریح:** مردِ قلندر کا دربار، بادشاہوں کے درباروں سے اولیٰ ہے۔ کسی بڑے سے بڑے بادشاہ، ملک و حکومت، فوجوں اور سلطنت کے مالک بادشاہ کے ہاں وہ بات نہیں ہے جو ایک مردِ قلندر کے دربار میں ہوتی ہے۔

سرسری نظر سے دیکھا جائے تو بادشاہ ایک وسیع و عریض ملک اور سلطنت کا مالک ہوتا ہے اس کے جان و مال اور حکومت کی حفاظت کے لیے لاؤ لشکر اور فوجیں موجود ہوتی ہیں۔ اِس کے دربار میں حاضری دینے والوں، اس کی خوشامد کرنے والوں اور "سب اچھا" کہنے والوں کو انعامات اور روپے پیسے سے بھی نوازا جاتا ہے۔ جائیدادیں دی جاتی ہیں۔ اسے اپنا رفیق خاص بنا کر دُنیا والوں کی نگاہ میں اسے باعزت بنا دیا جاتا ہے۔ گویا بادشاہ لوگوں کو جاہ و منصب اور مال و زر دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اِس کے مرنے کے بعد اس کا مقبرہ بھی بڑا شاندار تعمیر کروایا جاتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں ایک مردِ قلندر کی بارگاہ میں جو کچھ ہے اس کی ایک جھلک بھی دیکھ لی جائے تو فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ مردِ قلندر کا دربار ہر طرح سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ مردِ قلندر، مادی وجود کی ترقی نہیں بلکہ روحانیت میں اعلیٰ درجہ حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے وجود اور دنیا کے تمام تعلقات سے بے خبر ہو کر ہمہ تن خدا کی ذات کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

بادشاہ کے دربار میں مصنوعی رُعب و جلال پیدا کیا گیا ہوتا ہے۔ مردِ قلندر کے دربار میں رُوح کی بالیدگی کا سامان ہوتا ہے۔ بادشاہ، لشکر و سپاہ اور مضبوط قلعوں کا محتاج ہوتا ہے۔ مردِ قلندر صرف اللہ اور اِس کے رسول کی نظرِ عنایت کا طلبگار رہتا ہے۔ چنانچہ اِس کو وہ کرامات، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہیں کہ وہ لوگوں کو روحانیت کی بادشاہت عطا کرتا ہے اور اگر غضبناک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادشاہوں کو ان کی سلطنتوں سے محروم کر دیتا ہے۔

بادشاہوں کے دربار سے دُنیا ملتی ہے۔ مردِ قلندر کے دربار سے آخرت کی آسودگی۔ بادشاہ وہ دُنیا دینے کی کوشش کرتا ہے جس کا وہ خود بھی مالک نہیں ہوتا جبکہ مردِ قلندر، ایمان کی دولت سے نوازتا ہے۔ بادشاہ کی مادی عطا اِس کی زندگی تک محدود رہتی ہے بلکہ صرف اِس کی بادشاہت تک محدود رہتی ہے بادشاہت چھن جانے یا موت آ جانے پر سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ مردِ قلندر کا فیض اِس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ آپ نے خود دیکھا ہو گا کہ بادشاہوں کے مقبرے ویران و سنسان اور مردِ قلندر کا دربار آباد ہوتا ہے۔ بادشاہ کے مقبرے میں لوگ تاش کھیلتے اور نازیبا حرکات کرتے نظر آتے ہیں جبکہ مردِ قلندر کی بارگاہ میں عبادت ہو رہی ہوتی ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت ہو رہی ہوتی ہے۔ مردِ قلندر کی طرف سے اللہ کی راہ میں خیرات کی جا رہی ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ بادشاہ تو فوج کی طاقت سے رعایا کے جسموں پر عارضی طور پر حکومت کرتا ہے لیکن مردِ

حق' مردِ قلندر' فوج اور سامانِ جنگ کے بغیر رعایا کے دِلوں پر مستقل حکومت کرتا ہے۔ اس لیے عزت اور مرتبے میں بادشاہ کو مردِ قلندر سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ بقول علامہ اقبالؒ

> فقر کے ہیں معجزات' تاج و سریر و سپاہ
> فقر ہے میروں کا میر' فقر ہے شاہوں کا شاہ

**شعر 2:** **صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ**
**یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا اِلٰہ میں ہے**

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **صنم کدہ:** بت خانہ ○ **مردِ حق:** مردِ مومن' سچا مسلمان ○ **خلیل:** سچا دوست' یہاں مراد ہے خلیلؑ اللہ یعنی اللہ کا سچا دوست حضرت ابراہیمؑ ○ **نکتہ:** باریکی' باریک بات' تہ کی بات' نازک خیالی' پتے کی بات ○ **پوشیدہ:** نہاں' چھپا ہوا ○ **لا اِلٰہ یہاں مراد ہے لا اِلٰہ اِلاّ اللہ:** اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

**مفہوم:** یہ دُنیا ایک بت خانہ ہے اور مردِ مومن حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی طرح اس دُنیا میں رہتا ہے۔ یہ باریک بات لا اِلٰہ میں چھپی ہوئی ہے۔

**تشریح:** حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ایک مومن دنیا کے بت خانے میں' کفرگاہ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ بتوں کو توڑ کر خدائے واحد کی کبریائی اور وحدانیت کا درس دیتا نظر آتا ہے۔ وہ بتوں کے ساتھ مِل کر بت نہیں ہو جاتا۔ بلکہ بتوں کی پرستش سے ہٹا کر انسانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتا اور لوگوں کو کفر کے اندھیرے سے نکال کر دینِ برحق کے نورِ مبین کی طرف گامزن کرتا ہے۔ شرک کا راستہ روک کر اللہ کی وحدانیت کی منزل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

علامہ اقبالؒ دنیاوی مال و دولت کو بھی بتوں ہی کی دوسری صورت قرار دیتے ہیں' جن کو توڑنے کے لیے لا اِلٰہ اِلا اللہ کی کاری ضرب لگانا درکار ہے۔ آج اُمتِ مسلمہ اپنی آستینوں میں ذات پات اور فرقہ پرستی کے بت چھپائے ہوئے ہے۔ علامہ اقبالؒ لا اِلٰہ اِلا اللہ کی اذان سے ان کو پاش پاش کرنے کا فریضہ انجام دینا چاہتے ہیں۔ وہ اُمتِ مسلمہ کو درس دے رہے ہیں کہ دنیا میں اس وقت بت پرستی کا دَور دورہ ہے۔ مختلف نظریات اور خیالات کے بُتوں کو لا اِلٰہ اِلاّ اللہ کی ضرب سے توڑنا ہوگا۔ علامہ اقبالؒ خود فرماتے ہیں:

> یہ دَور اپنے براہیمؑ کی تلاش میں ہے
> صنم کدہ ہے جہاں لا اِلٰہ اِلاّ اللہ

**شعر 3:** **وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا**
**یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے**

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **جہاں:** دُنیا ○ **سنگ و خشت:** پتھر اور اینٹیں ○ **نگاہ:** نظر۔

**مفہوم:** اینٹوں اور پتھروں سے دُنیا نہیں بنتی تیری دُنیا وہی ہے جسے تو خود پیدا کرتا ہے جسے تو خود بناتا ہے۔

تشریح: علامہ اقبالؒ ایک مردِ مومن کو اس کی اصل دنیا سے آگاہ کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اے مردِ مومن! اے مسلمان! تیرے اِردگرد تو دُنیا پتھروں اور اینٹوں کی بنی ہوئی نظر آتی ہے۔ حقیقت میں یہ تیری دُنیا نہیں ہے تو ایسی دُنیا میں زندگی گزارنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ تجھے اللہ اور اس کے رسولؐ سے عشق پیدا کرنا ہے اور دیارِ عشق میں خود اپنا مقام پیدا کرنا ہے۔ یہ ایسی دُنیا ہے جس کے صبح و شام، دِن اور رات بلکہ زندگی کا ہر لمحہ عام دُنیا سے مختلف ہے۔ تجھے اس فانی دُنیا سے الگ اپنے لیے ایک نئی دُنیا پیدا کرنا ہے۔ وہ دُنیا جس میں شرک نہ ہو، جس میں بُت پرستی نہ ہو جس میں صرف دِین کی حکومت قائم ہو۔ اس لیے اے مسلمان! تجھے صرف زندگی ہی نہیں گزارنی ہے بلکہ اللہ اور اس کے آخری رسولؐ کے عشق میں زندہ رہنا اور مرنا ہے۔ صراطِ مستقیم پر چلنا ہے۔ خود کو دُنیا ہی میں نہیں، آخرت میں بھی کامیاب زندگی گزارنے کا اہل بنانا ہے۔ ایک مومن کو دنیا میں خلافتِ الٰہیہ قائم کرنے کو زندگی گزارنے کا مقصود بنانا ہے۔

اس کے لیے محنت کرنا ہوگی، باطل نظریات کو چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر چلنا ہوگا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اتباع کرنا ہوگی۔ علامہ اقبالؒ خود ہی فرماتے ہیں:

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں — آباد ہے اِک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں — جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں

اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

**شعر 4: مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا**
**وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے**

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ مہ و ستارہ: چاند اور ستارے ○ مشتِ خاک: مٹھی بھر خاک، مراد خاک سے بنا ہوا انسان ○ آوارگانِ راہ: راستے میں آوارہ گھومنے والے لوگ، راستے میں بھٹکنے والے لوگ مراد ہیں جدوجہد اور سعی و کوشش اور سیدھے راستے کی طلب میں مشغول لوگ۔

**مفہوم:** مٹھی بھر خاک کا بنا ہوا مسلمان! جس کا مقام چاند تاروں سے بھی آگے ہے، ایمان کی دولت نہ ہونے کی وجہ سے راستے ہی میں بھٹک رہا ہے۔

**تشریح:** علامہ اقبالؒ مٹھی بھر خاک کے بنے ہوئے پتلے یعنی مسلمان کو اس کا اصل مقام یاد دِلا رہے ہیں فرماتے ہیں کہ اے مسلمان! اگرچہ تو زمین کی مٹی سے بنا ہے تیرا رُخ اسی مٹی کی طرف ہے لیکن ترا اصل مقام مٹی کے یہ ذرّے نہیں بلکہ چاند ستاروں سے بھی تجھے آگے جانا ہے۔ دنیا اور دنیا کی ہر چیز تیری نگاہ میں ہیچ ہوگی تو تُو اپنے اصل مقام تک پہنچے گا۔ تیرا وجود مٹی سے ہے لیکن تیری رُوح مٹی سے نہیں ہے۔ مٹی کے اس پیکر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رُوح پھونکی تو تیرا وجود عمل میں آیا۔ رُوح کو رُوح کی طرف جانا ہے۔ جسم مٹی کی طرف جائے تو جائے لیکن رُوح کو اللہ کی طرف جانا ہے۔ اے خاک کے پتلے! اپنے وجود میں ایمان کی قوت پیدا کر۔

ایمان کی قوت پیدا ہوگی تو اپنے اصل مقام تک پہنچو گے۔ ابھی تم راہِ مستقیم کی تلاش میں ہو علامہ اقبالؒ نے مایوسی کا اظہار نہیں کیا بلکہ مسلمانوں سے پُر اُمید ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارا بھٹکنا دراصل اِس بات کی علامت ہے کہ تم صراطِ مستقیم کی تلاش میں ہو۔ ویسے بھی مسلمان کفراور ایمان کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔ ہمیں اپنے اندر قوتِ ایمانی پیدا کرنا ہی ہوگی۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ے افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن

**شعر5:** **خبر ملی ہے خدایانِ بحروبر سے مجھے**
**فرنگ رہ گزرِ سیلِ بے پناہ میں ہے**

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **خدایانِ بحروبر:** قضاوقدر کے فرشتے، سمندروں اور خشکی پر حکومت کرنے والے مالک ○ **فرنگ:** یورپ، انگلستان ○ **سیلِ بے پناہ:** ایسا سیلاب جس سے بچنا ممکن نہ ہو۔

**مفہوم:** سمندر اور خشکی کے مالکوں سے مجھے یہ خبر ملی ہے کہ یورپ، ایسے بے پناہ طوفان کی راہ میں ہے جس سے بچنا اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔

**تشریح:** علامہ اقبالؒ اس شعر میں اپنے علم، بصیرت، ضمیر اور الہام کی روشنی کی مدد سے یورپ کے انجام کی خبر دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ سمندروں اور خشکی کے مالکوں نے مجھے خبر دی ہے کہ یورپ ایک زبردست طوفان کی زد میں ہے۔ ایسا طوفان جس سے بچنا اس کے لیے ممکن نہیں رہا۔ یورپ میں گناہوں کی بھرمار ہے۔ انہوں نے حرام کو حلال کرلیا ہے۔ وہاں ہم جنس پرستی عام ہے۔ لواطت کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ مرد اور عورت کے ناجائز رشتوں کو درست سمجھ لیا گیا ہے۔ قرآنِ پاک میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ تو اِن کے لیے حلال ہیں، انجیل میں بھی جن چیزوں کو حرام کہا گیا ہے، ان کو انہوں نے اپنی متعین کی ہوئی منزلوں کی راہ میں رکاوٹ سمجھ کر حلال کرلیا ہے۔

یورپ والوں نے جنسی لذت کے حصول کو اپنا ایمان قرار دے لیا ہے وہاں مقدس رشتوں کا بھی احترام نہیں کیا جاتا۔ ان کی نیت کی روح پاکیزہ نہیں۔ ایسے عالم میں ضمیر کی پاکیزگی، خیال کی بلندی، ذوقِ لطیف اور ایمان کی پختگی کیسے قائم رہ سکتی ہے۔ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ جن قوموں نے گناہوں کی زندگی اپنائی وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ علامہ اقبالؒ نے قرآنِ پاک میں قومِ ہودؑ، قومِ عادؑ، قومِ ثمودؑ، قومِ شعیبؑ، قومِ صالحؑ، قومِ لوطؑ اور قومِ نوحؑ کا انجام پڑھا ہے اسی علم کی بنیاد پر وہ فرما رہے ہیں کہ مغرب پر ایک ایسا ہی طوفان یعنی اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہونے والا ہے۔ یورپ والوں کے لیے اس سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو اس کے کسی چھوٹے بڑے کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ مغربی قومیں اپنے گناہوں کی پاداش میں تہس نہس ہو جائیں گی۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ قصہ پارینہ ہو کر رہ جائیں گے۔ یہاں دوسری جنگِ عظیم

کی طرف بھی اشارہ ہے جو اس شعر کی تخلیق کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بپا ہوئی۔ بقول علامہ اقبالؒ:

تمہاری تہذیب، اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

---

شعر 6: تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہانِ تازہ، مری آہِ صبح گاہ میں ہے

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **آہِ صبح گاہی:** صبح کے وقت کی آہ و زاری، صبح کے وقت کی فریاد، صبح کے وقت کی عبادت

**مفہوم:** میری صبح کی فریاد میں ایک نیا جہان آباد ہے۔ اس لیے تو اس فضا میں اپنی قسمت تلاش کر۔

**تشریح:** علامہ اقبالؒ ایک مومن کی آہِ سحر اور اللہ تعالیٰ کے حضور صبح کے وقت کی فریاد کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر کسی کو دیکھتا ہے اور فریاد سنتا ہے۔ گنہگار ہو یا متقی و پرہیزگار، جب کوئی پکارتا ہے تو وہ سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ کوئی بھولے سے بھی یاد کرے تو وہ فریاد قبول کرتا ہے اور جو مانگتا ہے اسے عطا کرتا ہے لیکن تہجد کے وقت بستر چھوڑ کر اُٹھنے والے کو جو شان عطا کرتا ہے وہ بڑی نرالی شان ہے۔ فرماتا ہے کہ "جب تم تہجد کے لیے اُٹھتے ہو تو میں تمہیں دیکھتا ہوں۔" اللہ کے آخری رسول کا تہجد گزاری معمول رہا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ چوتھے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ فرشتے ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ اللہ کا کونسا بندہ اُس کے حضور سجدہ ریز ہے۔ کون اُسے پکارتا ہے وہ دیکھتا ہے، سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبالؒ یہ جانتے ہیں کہ ان کی شاعری میں دینی تعلیمات کا صحیح پرتو ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری صبح کی فریاد میں ایک نیا جہان آباد ہے۔ تو اس کی فضا میں اپنی قسمت تلاش کر، علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو سچے عاشقانِ رسول ﷺ کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان جب عشقِ رسول ﷺ کی شراب سے سرشار ہو کر اپنی خودی پہچانتا ہے تو اس پر ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات کا رنگ غالب آ جاتا ہے۔ اس کی صبح و شام کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ اُسے مال و دولت، دُنیا اور رشتہ و پیوند، بتانِ وہم و گماں سب ہیچ اور صرف لا الٰہ الا اللہ کا نغمہ رگ و پے میں سرایت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس کی خودی اُسے نئی دُنیائیں پیدا کرنے کی اہل بنا دیتی ہے۔ وہ زندگی کا اصل مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

بنتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو بھی پہچان

---

شعر 7: مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

**مشکل الفاظ کے معانی:** ○ **کدو:** وہ بڑا پیالہ جو گول کدو کے خشک چھلکے سے بنایا جاتا ہے اور فقیر لوگ اسے پیالے کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ کوزۂ شراب ○ **بادۂ ناب:** خالص شراب، مراد عشقِ رسول ﷺ ○ **مدرسہ:** جہاں تعلیم دی جائے، خاص طور پر جہاں دینی تعلیم دی جائے ○ **خانقاہ:** درویشوں کے رہنے کی جگہ، وہ